مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے علمی تفردات

انوار احمد شیخ
لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج آصف آباد، کراچی

ABSTRACT:

Imam Ahmed Raza was epch making personality of the world of Islam who shed his luster on almost every branch of learning like Fiqh, Hadith, Theology, Jurisprudence etc. He was a prolific writer who authored about 1000 books on more than 70 subjects of Islamic teachings. They contain numerous gems of wisdom which would serve as a beacon of light for the coming generation.

As an author, he has to his credit quite a large number of publication in various subjects specially in Fiqh. He was multidimensional scholar at the same time he was great leader, orator, missionary teacher, author, spiritual leader jurisprudent, poet and a very widely great lover of prophet. He devoted himself for Islam and teaching of Islam and prophet.

It is the responsibility of the writer's intellectuals and research scholars to make efforts for the promotion of the teaching of great Imam Ahmed Raza Khan particularly his Fatawas in other languages so that they could also benefit the Muslims living elsewhere in the word.

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ 1856-1921

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ 10 شوال المکرم ۱۲۷۲ھ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز اتوار ہندوستان کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام ''محمد'' اور تاریخی نام ''المختار'' ہے جبکہ آپ کے جدِ امجد مولانا رضا علی خان نے آپ کا نام ''احمد رضا'' رکھا۔ والد گرامی مولانا نقی علی خان اور دادا مولانا رضا علی خان صاحب بھی اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان نے مذہبی ماحول میں پرورش پائی اور اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں اور حیرت انگیز حافظے کی بنا پر چودہ سال کی عمر میں علم تفسیر، حدیث، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور علم الکلام جیسے مروجہ علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔

مولانا احمد رضا خان حضور اکرم ﷺ کی مسند علم کے جانشین کی حیثیت سے آفاق عالم پر چودھویں کے چاند کی طرح چمکے اور تمام عالم اسلام کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے مستفیض اور نور علم سے منور کر گئے۔ ان کے علوم و فنون پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مروجہ عقلیہ و نقلیہ علوم و فنون کی جزئیات، کلیات پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کو تقریباً ۱۰۰ علوم پر کامل عبور حاصل تھا اور ان پر لکھی گئی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

مولانا احمد رضا بلاشبہ عصر حاضر کی ایسی عبقری شخصیت تھے کہ جنہیں علوم اسلامی کے ساتھ ساتھ طب، سائنسی علوم قدیم وجدیدہ مثلاً ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، کیمیا، طبعیات، فلکیات، ہیئات، جفر اور ارضیات جیسے کئی علوم عقلیہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کے فتووں کا مجموعہ ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' اس پر شاہد ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کے بعض علمی تفردات

مولانا احمد رضا خان نے اپنے معرکۃ الآراء فتاوی رضویہ میں بے پناہ علمی استدلال اور فقہی بصیرت سے بعض مسائل میں قدیم فقہاء سے بھی اختلاف کیا ہے، بالخصوص علامہ شامی سے نہ صرف کئی مسائل پر اختلاف کیا ہے بلکہ کئی معاملات میں علامہ شامی کی تحقیق کو مزید دلائل سے بھی آراستہ کیا ہے۔

مولانا احمد رضا کے علمی تفردات کو جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کوئی انوکھی اور اچھوتی بات نہیں ہوتی بلکہ بعض مسائل جس میں قدیم اور دور حاضر کے فقہاء کرام کی نگاہ نہ پہنچی ہو مولانا احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت سے ان گتھیوں کو سلجھایا ہے۔ تاہم موجودہ زمانے میں اس کو قبولیت عام کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ لہذا اب یہ تفردات نہیں رہے، لیکن مولانا احمد رضا کو ان مسائل کے استنباط پر خراج تحسین پیش کرنا چاہیے کہ سب سے پہلے ان مسائل کی نشاندہی مولانا احمد رضا نے فرمائی اور اس کا صحیح حل بھی تجویز کیا۔ زیر نظر مضمون میں مولانا احمد رضا کے درج ذیل بعض علمی تفردات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱) کرنسی نوٹ کا استعمال ۲) پانی کی رنگت ۳) تیمم کیلئے جنس ارض کا قاعدہ

۴) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام ۵) گائے کا ذبیحہ

کرنسی نوٹ

کرنسی نوٹ جو کہ در حقیقت ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے تاہم ساری دنیا میں مال کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی

ضرورت مال کے تبادلے کیلئے پیش آتی ہے۔ لیکن اس کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ کیا کاغذ کا ٹکڑا جو حکومت وقت کی جانب سے جاری کیا ہوا ہو مال اصل جیسے سونا چاندی وغیرہ کے متبادل ہو سکتا ہے؟

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف رہا ہے، یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی کہ جب کاغذ کے نوٹ جاری ہوئے سونا اور چاندی کے سکوں میں کوئی ایسا شدید اختلاف نہ تھا کیونکہ ان کی ذاتی حیثیت بھی تھی تاہم جب کاغذ کے نوٹ چھپنے لگے تو یہ مشکل صورتحال پیش آئی کہ کاغذ کے نوٹ اہم مالیت کی اشیاء کے کیسے متبادل ہو سکتے ہیں؟

حکومتوں کے نزدیک نوٹ سونے یا چاندی کی رسید نہیں بلکہ الگ سے ایک مال یعنی ثمن اصطلاحی (Terminological Currency) ہے۔ جبکہ بعض علماء کی نظر میں نوٹ قرض کی رسید تھی اور نوٹ جاری کرنے والے بینک کی حیثیت مقروض (Debtor) کی سی تھی اور نوٹ رکھنے والا دائن (Creditor) کی حیثیت رکھتا تھا۔

صحیح فقہی حیثیت متعین نہ ہونے کی وجہ سے نوٹ کے ذریعے دیگر خرید و فروخت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے علماء میں مختلف اختلافات سامنے آئے۔ جن علماء نے نوٹ کو رسید پر محمول کیا ان کے نزدیک خرید و فروخت میں نوٹ کا ادا کیا جانا "حوالہ" کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی نوٹ کی صورت میں قیمت کی ادائیگی کرنے والا "حوالہ" بینک یا حکومت کے نوٹ شائع کرنے والے ادارے میں کر دیتا تھا، گویا نوٹ کے ذریعے ہونے والے تمام سودے ادھار تصور ہوا کرتے تھے۔ لہذا نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کی خرید و فروخت بھی ناجائز تھی۔ ان حضرات کے نزدیک نوٹ کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی چاہے نوٹ کی صورت میں کتنی ہی رقم موجود کیوں نہ ہو، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی نوٹ کی صورت میں جائز نہ تھی۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے اس دقیق مسئلے پر قلم اٹھایا اور اس سے متعلق ایک رسالہ:

کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم۔

تحریر فرمایا جس میں انہوں نے اپنے دلائل و براہین سے کرنسی کی شرعی حیثیت کو متعین فرمایا اور اس سلسلے میں پائے جانے والے گزشتہ ابہام کا ازالہ فرمایا۔

مولانا احمد رضا خان کی رائے

مولانا احمد رضا نے کرنسی نوٹ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ نوٹ کی حقیقت تو ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے جو مال متقوم (Valuable Property) ہے اور سکہ (Currency) ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی ہے اور یہ حاجت اور ضرورت کے وقت کام آنے والی اور ضرورت کیلئے رکھی جانے والی چیز ہو گئی، رد المحتار، بحر الرائق اور تلویح میں مال کی یہی تعریف کی گئی ہے، لہذا نوٹ شرعاً، عقلاً اور عرفاً مال ہے نہ کہ تمسک یا رسید (Receipt)۔

علامہ کمال الدین عبدالواحد ابن ہمام "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں!

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ. (۱)

اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے کے بدلے بیچے تو یہ خرید و فروخت بلا کراہت جائز ہے۔

بہر حال اس کاغذ کے ٹکڑے پر لکھائی وغیرہ کی وجہ سے اس کی قیمت اتنی ہو گئی ہے اور شرعاً اس کی ممانعت بھی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں واضح دلیل موجود ہے۔

الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (۲)

مگر یہ سودا تمہاری باہمی رضا مندی کا ہو۔

مزید وضاحت فرمائی کہ مال چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱) وہ اشیاء جو ہر حال میں ثمن (Money) رہیں جیسے سونا چاندی وغیرہ

۲) وہ اشیاء جو ہر حال میں مبیع (Sold Thing) رہیں جیسے کپڑے، چوپائے وغیرہ۔

۳) وہ اشیاء جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جس کی وجہ سے وہ چیز کبھی ثمن کہلاتی ہو اور کبھی مبیع۔

۴) وہ اشیاء جو حقیقتاً متاع ہوں اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے کہ جب تک ان کا رواج ہے ثمن ہے ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اور نوٹ اسی چوتھی قسم سے ہے کیونکہ اصل میں تو ایک متاع ہے اور عام بول چال میں ثمن، اس لئے نوٹ کے ساتھ تمسک (Receipt) وثیقہ (Written Agreement) جیسا معاملہ نہیں بلکہ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ (۳)

مولانا احمد رضا خانؒ کے مطابق یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی رسید ہے۔ رسید کا مطلب ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے وہ نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کے مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کر دیں تو گورنمنٹ ان کا قرض واپس کر دیتی ہے اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے والے لوگوں کا قرض ادا کرتی ہے تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تا کہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کر سکیں۔ اسی طرح قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار ہوتا رہے گا۔

اسی طرح نوٹوں کی بدلتی اور اصلی قیمتوں کے بارے میں مولانا احمد رضا کی رائے یہ ہے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بھی بیچا جا سکتا ہے اور اس کے جائز ہونے کے لئے فقط خریدار اور فروخت کنندہ کا راضی ہونا ہی کافی ہے اور کسی شے میں اگر کوئی خوبی پیدا ہو جائے تو اصل شے کی قیمت بڑھ جاتی ہے چنانچہ کاغذ کے ٹکڑے پر جب مہر (Stamp) لگ گئی تو اس کی قیمت کبھی سو کبھی ہزار وغیرہ تک ہو گی۔ جیسا کہ اگر کسی کاغذ پر ایک نادر و نایاب علم لکھا ہے اور کوئی اس علم کا قدر دان اس کا طلب گار ہو تو وہ اس کاغذ کو دس ہزار روپے میں خریدے تو اس نے کیا خلاف شرع کام کیا؟ ہرگز نہیں بلکہ جائز اور حلال طریقے کے مطابق عمل کیا اور یہ دس ہزار روپے جو اس نے ادا کئے وہ اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کیونکہ وہ تو مال ہی نہیں تھا۔ نہ ہی اس کاغذ کے کیونکہ اس ایک کاغذ کی اتنی قیمت تو ہو نہیں سکتی۔ جس طرح کسی شے کی قیمت میں اس کی خوبصورتی وغیرہ سے اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح کاغذ کی قیمت میں ''علم'' کی کتابت کی وجہ سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خوبصورتی اور علم شریعت میں مال نہیں۔ اس طرح سرکاری اعتباری مہر

لگنے سے کاغذ کی قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ مگر شریعت کے نزدیک مال نہیں بلکہ ایک وصف ہے جو قیمت میں اضافہ کا سبب ہے۔ (۴)

لہٰذا جب کاغذ کے ایک ورق کی قیمت میں اس کی تحریر کی وجہ سے بے حد اضافہ ہو گیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے کہ نوٹ پر لکھائی کے سبب اس کی قیمت کبھی دس روپے، کبھی سو یا ہزار یا اس سے زائد ہو گئی اور اس وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے شرع نے بھلا اس سے کب روکا ہے۔

پس اس طرح کاغذی کرنسی نوٹ بذات خود اپنی ایک حیثیت رکھتے ہیں ان کا عمومی لین دین میں قابل قبول ہونا اس ضمانت کی وجہ سے نہیں جو ان پر اس صورت میں لکھی ہوتی ہے فلاں بینک حامل ہذا کو اتنی رقم مطالبہ پر ادا کرے گا۔ اور نہ ہی کرنسی نوٹوں کی پوری تعداد و مقدار کے پیچھے (بینک میں) کوئی اصل زر سونا چاندی موجود ہوتا ہے بلکہ ان کی قبولیت کا راز اس میں ہے کہ لوگوں نے انہیں قوت خرید (Buying Power) کے طور پر قبول کر لیا ہے۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے کرنسی نوٹ کے بارے میں اپنی مدلل رائے اس وقت پیش کی جب فقہائے کرام نوٹ کی قبولیت کے بارے میں اضطراب کا شکار تھے۔ بعض نے نوٹ کو رسید مانا بعض نے حکومت کی جانب سے کوئی اقرار نامہ وغیرہ، لہٰذا اسی کیفیت میں صدقات، زکوٰۃ، مہر و قرض کی لین دین وغیرہ بالنوٹ کی صورت درست نہیں سمجھا گیا تاہم مولانا احمد رضا خان نے اعتماد کے ساتھ نوٹ کی شرعی و فقہی حیثیت کو متعین کیا، زکوٰۃ، صدقات، مہر و قرض کی لین دین کو جائز قرار دیا۔ بلاشبہ اس وقت یہ اپنی نوعیت کا منفرد فیصلہ تھا جو کہ مولانا احمد رضا خان نے صادر فرمایا اور بعد میں وقت نے ثابت کر دیا کہ زمانے کی ضروریات و تغیرات کے اعتبار سے یہ فیصلہ کتنا درست تھا۔

پانی کی رنگت

مولانا احمد رضا خانؒ کے فتاویٰ میں یہ انفرادیت ہے کہ انہوں نے ایسے مسائل پر بھی قلم اٹھایا ہے جس کا تعلق خاصتاً سائنس سے ہے انہیں سائنسی علوم و فنون پر بھی مکمل دسترس تھی، بالخصوص علم فلکیات، معدنیات، طبعیات، ارضیات میں گہری نظر ان کا خاصہ ہے۔

ہمارے روزمرہ کے استعمال میں پانی (Water) ایک اہم شے ہے اور طہارت حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی، پانی کے فقہی احکام کیا ہیں نیز اس کی رنگت کیا ہے؟ کیا اس کا رنگ سفید ہے یا شفاف، اس بارے میں ہمیشہ علمائے کرام کا اختلاف رہا ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ پانی بے رنگ ہے یعنی شفاف ہے جس رنگ کے برتن میں ڈالا جاتا ہے وہی رنگ اس کا نظر آتا ہے۔ بعض کے نزدیک پانی کا رنگ سیاہ ہے اس سلسلے میں ایک حدیث مبارکہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ بعض نے اس کا رنگ سفید قرار دیا۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے پانی کی رنگت نہ ہونے، سفید ہونے یا سیاہ ہونے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ علیحدہ سے اپنا ایک منفرد خیال دلائل کے ساتھ پیش کیا۔

پانی کے بے رنگ ہونے کے بارے میں مولانا احمد رضا خانؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ پانی کا رنگ ہی نہ ہو بلکہ

بادل کے بخارات کی صورت میں پانی کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ بادل کے بخارات پانی ہی کی وجہ سے بنتے ہیں اگر پانی کا رنگ ہی نہ ہو تو بخارات میں کیوں ظاہر ہوتا ہے۔ (۵)

دوسرا موقف ان حضرات کا تھا جو پانی کی رنگت سفید مانتے ہیں اس سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا احمد رضا فرماتے ہیں کہ پانی کا رنگ سفید نہیں بلکہ آبی ہے اور آبی رنگ اس کو کہتے ہیں جو کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو کیونکہ سفید کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جاتا ہے تو جب تک وہ خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل ہی رہتا ہے۔ اسی طرح جس دودھ میں زیادہ پانی ملا ہوا ہو وہ سفید نہیں رہتا بلکہ نیلے رنگ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

تیسرا موقف ان حضرات کا تھا جو کہ پانی کی رنگت سیاہ مانتے ہیں اور اس سلسلے میں اس حدیث مبارک سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے فرمایا۔

> "اے میرے بھانجے خدا کی قسم ہم ایک ہلال دیکھتے پھر دوسرا اور پھر تیسرا دو مہینوں میں تین چاند اور کاشانہ ہائے نبوت میں آگ روشن نہ ہوتی، عروہؓ نے عرض کی اے خالہ پھر اہل بیت کرام ان مہینوں میں کیا کھاتے؟ فرمایا بس دو سیاہ چیزیں چھوہارے اور پانی"

مولانا احمد رضا اس حدیث مبارکہ کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کھجور کو غالب قرار دے کر پانی کو سیاہ فرمایا کیونکہ کھجور خوراک ہے اور پانی مشروب اور خوراک کو مشروب پر فضیلت ہونے کی وجہ سے کھجور کا پانی پر غلبہ ہے اس لئے پانی کو سیاہ فرمایا کہ اس وقت پانی کے برتن گہرے رنگ دار ہوتے تھے اور پانی ڈالنے کے بعد اس میں پانی سیاہ نظر آتا تھا۔ (۶)

مولانا احمد رضا نے پانی کی رنگت کے حوالے سے مروجہ تینوں موقف سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا منفرد نقطہ نظر مدلل انداز میں پیش کیا کہ پانی کی رنگت نہ سیاہ ہے، نہ سفید اور نہ بے رنگ بلکہ میلا مائل کو نہ سواد خفیف ہے جو صاف اور سفید چیزوں کے مد مقابل آ کر واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ سفید کپڑے پر پانی لگ جائے تو وہ سفید نہیں رہا۔ الغرض پانی اپنی ایک رنگت رکھتا ہے جو کہ ہلکا سیاہی مائل اور سفید اور سیاہ کا درمیانی رنگ ہے۔

فقہی مسائل میں پانی کی رنگت انتہائی اہمیت کی حامل ہے، وضوء اور غسل وغیرہ کے لئے پانی کی صحت کا اعتبار بھی اس کی رنگت، ذائقہ اور بو سے ہے، مولانا احمد رضا نے پانی کی رنگت کو متعین کر کے اس سلسلے میں فقہی مسائل کے استنباط میں آسانی فرمائی اور اپنا مدلل منفرد نظریہ پیش کیا۔

تیمم کیلئے پاک مٹی کی اقسام

مسائل طہارت میں تیمم ایک اہم جزو ہے، اللہ سبحانہ کی جانب سے امت مسلمہ کو پانی کی عدم دستیابی کی صورت مین یہ سہولت دی گئی ہے جو کہ غسل اور وضوع کا قائم مقام ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

فتیمموا صعیداً طیباً.(۷)

تم تیمم کرو پاک مٹی سے

اس حکم الٰہی میں مٹی کو تیمم کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، تاہم مٹی کے اقسام کے حوالے سے ابھی تشنگی باقی ہے کہ کس طرح کی مٹی سے تیمم کیا جائے، مٹی کی کون سی اقسام پاک ہیں اور کون کون سی اشیاء اس ضمن میں شامل ہیں۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے اس سلسلے میں ایک باقاعدہ رسالہ بنام "المطر السعید علی نبت جنس الصعید" تحریر فرمایا اس رسالے میں مولانا احمد رضا نے اصول متعین فرما دیئے کہ کون سی اشیاء جنس ارض میں شامل ہے کہ جس سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ایک قاعدہ فراہم کیا کہ جنس ارض وہ ہے جو آگ سے جل کر راکھ نہ ہو جائے جو نرم نہ ہو اور منطبع یعنی جس کو کوٹ پیٹ کر بڑھایا نہ جا سکتا ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الیٰ اعماق التنقیح و التحقیق علمائے کرام نے بیان جنس ارض میں ان آثار سے کہ اجسام میں نار سے پیدا ہوتے ہیں پانچ لفظ ذکر فرمائے ہیں احتراق، ترمد، لین، ذوبان، انطباع(۸)

پھر ہر ایک کے بارے میں الگ الگ تفصیل بھی بتاتے ہیں۔

۱) احتراق: شے اثر نار سے کلا یا بعضا فاسد و خارج عن المقاصد ہو جائے، کھانا پکنے کو احتراق نہیں کہیں گے بلکہ طبخ و نضج و ادراک، ان کے غیر میں بھی آگ سے مجرد تاثر قوی کو احتراق کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں اجزاء و مقاصد سے برقرار رہیں۔ جیسے زمین سوختہ کہ اثر نار سے بشدت گرم ہو کر سیاہ ہو گئی درمختار میں ارض محترقہ کا مسئلہ ذکر فرمایا کہ اس سے تیمم جائز ہے۔(۹)

۲) ترمد: ترمد سے مراد کسی شے کا جل کر راکھ ہو جانا ہے مولانا احمد رضا اس کی درج ذیل صورتیں بیان کرتے ہیں۔

(i) انقلاب: جب شے جل کر بالکل راکھ ہو جائے (بالکل فنا ہو جائے) جیسے گندھک یا نوشادر وغیرہ۔

(ii) اطفاء: بعد عمل نار اس کے سب اجزا او برقرار رہیں مگر پانی کی کوئی نمی تھی وہ خشک ہو گئی تھی۔

(iii) انتقاض: یہ کہ آگ اس کے اجزاء ارضیہ و یابسہ میں تفریق کر دے اور جسم کا حصہ باقی رہے اس صورت میں اگر رطوبات بہت قلیل تھیں عمل نار سے حجم میں فرق نہ آیا نہ پہلے سے بہت ضعیف ہو گیا۔ تو تکلیس احجار ہے ورنہ ترمد، اگر اس میں رطوبت کثیرہ سب فنا ہونے سے پہلے آگ بجھ گئی کہ آئندہ بوجہ بقائے رطوبت دوبارہ جلنے کی صلاحیت رہی تو فحم، انگشت، کوئلا ورنہ رماد، خاکستر، راکھ اس میں نا اجزاء بکھر جاتے ہیں یا چھونے سے بکھر جائیں گے کہ آگ بالکل تفریق اتصال کر چکی۔

مولانا احمد رضاؒ نے ایک اصطلاح "ترمد" کو استعمال کیا اس کے معنی راکھ ہونا ہے۔ اس میں کسی شے کو آگ میں جلنے کے بعد اس کے راکھ ہونے کی صورت میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس شے کو راکھ کب کہیں گے۔

آپ نے فرمایا کہ جب شے جل کر بالکل فنا ہو جائے۔ جیسے گندھک یا نوشادر جو کہ آگ کے اثر سے بخارات بن کر اڑ جاتے ہیں اور بالکل غائب ہو جاتے ہیں یا جب جلنے کے بعد سب اجزا تو برقرار رہیں مگر پانی کی کوئی نمی تھی تو وہ خشک ہو گئی اور پانی کے خشک ہونے کے بعد وہ راکھ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یا جلنے کے بعد کسی شے کے خشک وتر حصوں میں تفریق ہو گئی نہ اس کے حجم میں فرق آیا اور نہ بہت کمزور ہوا۔ یا کسی شے کی تمام رطوبت کثیرہ آگ میں جل کر ختم ہو جائیں اور آگ جلتی رہے تو یہ تمام صورتیں راکھ ہونے کی ہیں جو کہ جنس ارض میں شامل نہیں جس سے تیمم نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ **لین: (نرم پڑ جانا)**

جلنے کے بعد ایک اثر لین ہے یعنی کوئی شے جلنے کے بعد نرم پڑ جائے۔

مولانا احمد رضاؒ فرماتے ہیں

> "اس میں گلنا یا بعض جائے جسم شرط ہے نیز یہ بھی لازم ہے کہ اگر چہ وہ قدرے سست ضرور ہوئی کہ پہلے سی یا ہم گرفت وصلابت نہ رہی مگر جسم کہ منجمد تھا اپنے انجماد پر رہے نہ یہ کہ پانی ہو کر بہہ جائے"(۱۰)

گویا کوئی شے آگ میں جلنے کے بعد باقی تو رہے تاہم اس میں نرمی آ گئی اور پہلے جیسے سختی اور گرفت باقی نہ رہے اور اپنی اصلی حالت میں نہ رہے تو اسے جنس ارض میں شامل نہیں کریں گے۔

۴۔ **ذوبان (پگھل جانا)**

کسی شے پر آگ کا ایک اثر پگھل جانا ہے مولانا احمد رضا فرماتے ہیں کہ دھات وہ شے ہے کہ جب اس کو آگ پر رکھا جائے تو وہ مائع کی طرح بہنے لگے تاہم اس کے خشک وتر اجزا تو الگ الگ نہ ہوں گے۔ اس کی پکڑ اور طاقت کمزور پڑ جائے اور جیسے ہی پگھلی ہوئی حالت ختم ہو جائے وہ شے دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔(۱۱)

انطباع

مولانا احمد رضا نے اس کا معنی پارہ پارہ نرم ہو جانا فرمایا ہے کہ عمل صنعت کی وجہ سے کوئی شے اس قابل ہو جائے کہ وہ جس طرح گھڑنا چاہے گھڑ سکے جس سانچے میں ڈھالنا چاہیں ڈھل سکے۔ جیسے سونا چاندی اور لوہے کا آگ سے نرم ہو کر ہر قسم کی گھڑائی کے قابل ہو جانا۔ یا کچھ پتھر جو کہ معدنیات وغیرہ سے ہوتے ہیں وہ آگ میں ڈالنے کے بعد اتنے نرم ہو جاتے ہیں کہ گویا دھات کی طرح جس سانچے میں ڈھالنا چاہیں ڈھل جاتے ہیں۔ لہذا ایسی تمام اشیا کا شمار جنس ارض سے نہ ہوگا۔(۱۲)

مولانا احمد رضاؒ نے تیمم کے حوالے سے جو اشیاء استعمال کی جا سکتی ہیں فقہی اور سائنسی بنیادوں پر پرکھ کر ایسی جامع تحقیق پیش کی کہ ہر زمانے کیلئے اصول متعین فرما دیے بلاشبہ ایسی بلند پایہ تحقیق اور باریک بینی مولانا احمد رضا ہی کی انفرادیت ہے۔

اپنے رسالے "حسن التیمم للبیان حد التیمم" میں فقہاء کرام کے بیان کردہ اقسام مٹی و پتھر کی فہرست مرتب کی اس فہرست میں تین سو گیارہ (311) اقسام کا ذکر کیا جس میں ایک سو اکیاسی (181) اقسام ایسی ہیں جس سے تیمم جائز ہے جبکہ ایک سو تیس (130) اقسام سے تیمم جائز نہیں اس میں سے 179 اقسام صرف مولانا احمد رضا کی تحقیق کے ذریعے سامنے آئی ہیں۔

ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام

دنیا کے نقشے میں ہندوستان کو ایک اہم مقام حاصل ہے یہاں کئی سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی اور یہ خطہ ارض پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ علماء کے درمیان اس سلسلے میں مختلف رائے پیدا ہو گئیں کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام بالخصوص ایسے وقت میں جب انگریز کا تسلط کمزور پڑ رہا تھا اور ہندوستان میں آزادی اور انگریز دشمنی کی مختلف تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔

فقہی احکام میں آبادیوں کی تقسیم دو ہی طرح کی ہیں دار الاسلام یا دار الحرب تیسری کسی اور قسم کی ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

علماء کی ایک جماعت نے ہندوستان کے بارے میں فتویٰ دیا کہ ہندوستان نہ دار الحرب ہے نہ دار الاسلام بلکہ دار الامن ہے۔ مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی اسی نظریے کے حامی ہیں جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (۱۳)

ہندوستان کے بارے میں غالباً لوگ اس بنیاد پر کشمکش کا شکار تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ دار الاسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت بھی ہو اس کے برعکس کسی دار الاسلام پر اگر کفار کا تسلط ہو جائے تو وہ دار الحرب ہو جائے گا۔ اس طرح دار الحرب اور دار الاسلام کی بحث میں علماء مذبذب کا شکار تھے کوئی واضح رائے سامنے نہیں آئی تھی بلکہ ایک نئی اصطلاح ''دار الامن'' کے طور پر سامنے آئی تھی۔ مولانا احمد رضاؒ نے ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیا ان کے مطابق ہندوستان ہرگز دار الحرب نہیں ہے کیونکہ ایک دار الاسلام کا دار الحرب ہونے کیلئے تین چیزیں ہونا ضروری ہیں۔

۱) کفار کا کامل تسلط

۲) احکام اسلام کا بالکل بند ہو جانا

۳) کسی دار الاسلام سے اس کی سرحد کا نہ ملنا

اگر تین شرطوں میں ایک شرط بھی باقی ہو تو دار الاسلام ہی ہوگا۔ مثلاً کفار کا تسلط تو ہے مگر احکام اسلام کامل نہیں تو جزوی طور پر نافذ ہیں، مثلاً جمعہ، عیدین، نماز پنجگانہ، آذان وغیرہ باقی ہیں تو دار الاسلام ہوگا۔ ہندوستان میں تو انگریزوں کے زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان احکام پر پابندی لگی ہو۔ اسی طرح اگر دو شرطیں بھی نہ پائی گئی ہوں تو کم از کم اتنا ضرور تھا کہ ہندوستان کی سرحدیں افغانستان ایران جیسے اسلامی ملکوں سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لئے ہندوستان کو قطعاً دار الحرب نہیں کہا جا سکتا۔ آپ نے مزید کہا کہ دار الحرب وہ ہوتا ہے جہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں لیکن ہندوستان میں یہ صورت حال قطعاً موجود نہیں۔ یہاں اہل اسلام جمعہ، عیدین و آذان و اقامت و نماز با جماعت وغیرہ بغیر کسی مزاحمت کے علی الاعلان کرتے ہیں، فرائض، نکاح، طلاق، عدت، مہر، خلع، ہبہ، وصیت، شفعہ وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ لہٰذا ہندوستان دار الاسلام ہے۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے ایسے حالات میں یہ فتویٰ دیا جب ہندوستان میں انگریز دشمن تحریکیں سرگرم تھیں اور عوام میں

انگریزوں کے خلاف نفرت جنم لے رہی تھی۔ ہندوستان کو دارالاسلام کہنے پر کچھ لوگوں نے حیرت کا بھی اظہار کیا بعض نے برا بھی منایا اور بعض کی جانب سے حکومت انگریزیہ کی حمایت کا طعنہ بھی برداشت کرنا پڑا لیکن زمانے نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کل بھی دارالاسلام بھی اور آج بھی ہے، حالانکہ اس زمانے میں جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی مسلمان شعائر اسلام واحکام کی تعمیل میں نسبتاً آج کے زیادہ آزاد تھے جبکہ آج ہندوستان بھارت بن گیا ہے اور سرکاری طور پر ہندوؤں کا تسلط ملک کی عمل داری پر شدت کے ساتھ موجود ہے، لیکن آج ہندوستان سے ہندوستان کو دارالحرب کہنے کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔

گائے کا ذبیحہ

ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ ہمیشہ تنازع کا شکار رہا ہے، ہندو مسلم فسادات بھی اس تنازع سے رونما ہوئے۔ ظاہر ہے گائے جو ہندوؤں کی ماتا ہے اور مسلمانوں کی غذا، ساری دنیا میں مسلمان گائے کا گوشت رغبت سے کھاتے ہیں بالخصوص سارے ہندوستان میں گائے کا گوشت مسلمانوں کی مرغوب غذا ہے۔ روزمرہ کے استعمال اور عید قربان پر گائے کی قربانی مذہبی جوش واحترام کے ساتھ کی جاتی تھی، بعض جوشیلے نوجوان عید قرباں پر گائے کو قصداً ہندوؤں کے محلے سے گزارا کرتے تھے یا ویسے کہیں بھی گائے ذبح ہوتی تو ہندوؤں میں سخت اشتعال پھیل جاتا، گائے کے ذبیحہ سے شروع ہونے والا تنازع ایک زبردست ہندو مسلم کش فسادات کی شکل اختیار کر لیتا، یہ صورتحال انگریز انتظامیہ کے لئے سخت پریشان کن تھی۔ انگریز جانتا تھا کہ انہوں نے حکومت چونکہ مسلمانوں سے چھینی ہے لہذا اس کے اصل دشمن مسلمان ہیں مسلمانوں میں کسی بھی قسم کا مذہبی اتحاد ان کی حکومت کی بنیادیں ہلا سکتا ہے اس کے برعکس ہندوؤں سے انہیں ایسا کوئی خطرہ نہ تھا۔ بعض ہندو مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے انگریز حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ اگر مسلمان گائے کا ذبیحہ بند کر دیں تو ہندوستان بہت بڑے ہندو مسلم کش فسادات سے بچ سکتا ہے اس دوران ہندوستان کے بعض مسلم اور ہندو رہنماؤں کی جانب سے ہندو مسلم بھائی چارے کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی۔ گائے کے ذبیحہ کے حوالے جب یہ مسئلہ دینی حلقوں میں زیر غور ہوا تو لامحالہ ایک تذبذب کی فضا پیدا ہوئی اگر گائے کے ذبیحہ کو بند کرنے کی رائے دی جاتی ہے تو شعائر اسلامی کو مٹانے کا گناہ لازم آتا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہندو مسلم بھائی چارہ کا شیرازہ پارہ پارہ ہو جاتا جس کی آواز بعض مسلم رہنماؤں کی جانب سے بھی شدت سے بلند کی جا رہی تھی۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے اس بارے میں اپنا دوٹوک موقف واضح اور جرأت مندانہ انداز سے دلائل کے ساتھ پیش کیا، جس کے مطابق گائے کا ذبیحہ اگرچہ ارکان اسلام میں کوئی فرض کی حیثیت نہیں رکھتا اور مسلمان اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کو بھی گوشت کے حصول یا قربانی کے لئے ذبح کر سکتے ہیں۔ تاہم گائے کا ذبیحہ شعائر اسلام میں سے تو ہے اور شعائر اسلام کی حفاظت ہر مسلمان پر لازم ہے بالخصوص جب شعائر اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جائے تو ایسی صورتیں اس کو برقرار رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ لہذا ہندوستان میں اب ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے کہ شعائر اسلام کو مٹانے کی کوششیں کی جا رہی۔ لہذا اب تمام مسلمانوں پر لازم ہو گیا ہے کہ گائے کے ذبیحہ کی حفاظت کریں اور اس کو ختم نہ ہونے دیں۔

مولانا احمد رضا خانؒ نے اپنی منفرد رائے سے سارے ہندوستان میں ایک جوش و ولولہ پیدا کر دیا جو مسلمان ہندو مسلم بھائی

چارگی کی آندھی میں گم ہو گئے تھے مولانا احمد رضا کے اس جرات مندانہ فیصلے پر تذبذب کی فضا سے نکل آئے۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ کمال الدین عبد الواحد ابن ہمام، فتح القدیر، کتاب الکراہیۃ، جلد ۶، ص ۴۲۴

۲۔ القرآن، سورہ ۴، النساء، آیت ۲۹

۳۔ مولانا احمد رضا خان، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مترجم مولانا شاہد قادری بنام "کرنسی نوٹ کے مسائل"، ص ۴۲

۴۔ ایضاً، ص ۵۸

۵۔ مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص ۴۳۶

۶۔ مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص ۴۴۲

۷۔ القرآن، سورۃ ۵، المائدہ، آیت ۶

۸۔ مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، جلد اول، صفحہ ۶۶۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۹۔ ایضاً، صفحہ ۶۶۹

۱۰۔ ایضاً، صفحہ ۶۶۹

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۶۶۹

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۶۶۹

۱۳۔ عبد العزیز محدث دہلوی، فتاویٰ عزیزیہ، صفحہ ۱۷۔۱۹